وحی کی حقیقت

الطاف احمد اعظمی

قرآن تمام تر وحی پر مشتمل ہے، جس کو نبی ﷺ نے براہِ راست اور بالواسطہ دونوں طرح وصول کیا اور پھر آپ ﷺ کے توسّط سے یہ امّت کو ملا۔ یہ وحی کیا چیز ہے اور کس صورت میں نبی ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اس کو کس طرح اخذ کیا؟ ان امور کے بارے میں علماء اور مفسّرین کا اختلاف ہے۔ انھوں نے وحی کی جو حقیقت بیان کی ہے اور اس کو 'وحیِ متلو و غیرِ متلوٗ' میں تقسیم کیا ہے اس سے راقم کو اتفاق نہیں ہے۔ لیکن اس اختلاف پر گفتگو سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے معنی و مفہوم کو ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے۔

لغوی معنی

لغت میں وحی کے معنی متعدد ہیں۔ ایک بنیادی معنی اشارہ کرنے کے ہیں۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ وحی کی اصل اشارت ہے جو بسرعت واقع ہو، چنانچہ ''امر وحیٌ'' کا مطلب ہے ''امر سریع''[۱]۔ کبھی گفتگو رمز و کنایہ میں ہوتی ہے اور کبھی کسی آواز کے بغیر بدن کے کسی عضو کے ذریعہ سے اشارہ کرکے یا لکھ کر ہوتی ہے۔ آنکھوں سے اشارہ کرنے کے معنی میں ایک عربی شاعر کہتا ہے:

فاوحیٰ الیھا الطرف انّی احبّھا
فأثر ذاک الوحی فی وجناتھا

''آنکھوں نے اس کو اشارہ سے بتایا کہ میں اس کو محبوب رکھتا ہوں۔ پس اس اشارہ نے اس کے چہرے پر اثر کیا''۔

انگلیوں سے اشارہ کرنے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرع:

فاوحت الینا و الانامل رسلها[۲]

''اس نے ہماری طرف اشارہ کیا اور انگلیاں اس کی پیغام برتھیں''۔

اشارت کے علاوہ کتابت (لکھنا)، پیغام بھیجنا، چھپا کر کوئی بات کہنا اور دل میں بات ڈالنا بھی وحی کے مفہومات میں داخل ہیں[۳]۔ مکتوب اور کتاب کو بھی وحی کہا جاتا ہے[۴]۔

قرآنی معنی

قرآن میں وحی (و ایحاء) کا لفظ لغوی اور اصطلاحی دونوں میں استعمال ہوا ہے۔ لغوی یعنی اشارہ کرنے کے معنی میں ایک جگہ ہے:

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔ (سورۂ مریم/۱۱)

پس وہ حجرہ سے (نکل کر) اپنے لوگوں کے سامنے آیا اور ان سے اشارہ سے کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کرو۔

دوسرے معنی (الہام والقاء) میں فرمایا ہے:

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ (سورۂ انعام/۱۲۱)

اور شیطان (قسم کے لوگ) اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے ہیں (یعنی انھیں اُکسا رہے ہیں) کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

دوسری جگہ ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ الخ (سورۂ قصص/۷)

ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس کو دودھ پلاتی رہو۔

ایک اور جگہ ہے:

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً (سورۂ نحل/۶۸)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے جی (فطرت) میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا۔

یہ تو وحی وایحاء کے لغوی معنی ہوئے۔ لیکن قرآن میں جہاں خدا کی طرف سے اس کے رسولوں کی طرف وحی کرنے کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد کوئی ہدایت یا پیغام بھیجنا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں وحی وایحاء سے کہیں زیادہ نزول وانزال اور تنزیل کے مصادر استعمال ہوئے ہیں۔ ایک جگہ 'ایحاء' کو 'توصیۃ' کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے جس سے اس مفہوم پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِىْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى (سورۂ شوریٰ/۱۳)

اللہ نے تم لوگوں کے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے تمھارے پاس وحی کیا ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ کو دیا تھا۔

قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وحی یعنی حکم وہدایت کبھی تو براہِ راست ہوتی ہے اور کبھی بالواسطہ، خواہ یہ واسطہ کوئی مادّی ذریعہ ہو، جیسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے درخت کے توسط سے کلام کیا تھا (سورۂ قصص/۳۰)، یا غیر مادّی یعنی فرشتہ۔ زیادہ تر وحی اسی ذریعے سے آئی ہے۔ قرآن کی ایک آیت میں ان تینوں ذریعوں کا ذکر ایک ساتھ ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِىَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ (سورۂ شوریٰ/۵۱)

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر (کسی وسیلہ سے، مثلاً) وحی والہام سے، پردہ کے پیچھے سے، یا کوئی رسول بھیجے، پھر وہ اس کے حکم سے جو اس کو منظور ہو پہنچادے۔

وحی کا شرعی مفہوم

شرع میں جب وحی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ مخصوص خدائی ہدایت ہے جو پیغمبر ﷺ کے توسط سے اہلِ ایمان کو ملی ہے اور اسی حکم وہدایت کا نام قرآن ہے۔ قرآن اور وحی باعتبارِ حقیقت مترادف الفاظ ہیں، جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡآنِ مِن قَبۡلِ أَن يُقۡضَى إِلَيۡكَ وَحۡيُهُ۔ (سورۂ طٰہٰ ۱۱۴)

اس سے پہلے کہ اس کی وحی پوری نازل ہو چکے، قرآن کے معاملہ (یعنی اس کو یاد کرنے) میں جلدی نہ کرو۔

وحی کی خصوصیت

خدا کی طرف سے نبی ﷺ کو جو وحی بھیجی گئی اس کی نوعیت کیا تھی اور آپ ﷺ اس کو کیوں کر وصول کرتے تھے؟ اس سلسلے میں حدیث کی کتابوں میں کئی روایات ملتی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

احیاناً یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدّہ علیّ فیعصم عنّی وقد وعیت عنه ما قال، واحیاناً یتمثّل لی الملک رجلاً فیکلّمنی فاعی ما یقول ۵۔

کبھی وحی میرے پاس صدائے جرس کی طرح آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر وہ حالت رفع ہو جاتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا اسے میں محفوظ کر لیتا ہوں۔ اور کبھی وہ فرشتہ (یعنی جبریل) میرے لیے آدمی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں۔

اس روایت میں بدونِ واسطہ اور بالواسطہ دونوں طرح کی وحی کا ذکر ہوا ہے لیکن دوسری روایتوں میں بالواسطہ وحی کی صورت اس سے مختلف بیان ہوئی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ "روح القدس نے میرے دل میں پھونکا" (ان روح القدس نفث فی روحی)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ "روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا" ۶۔

آخری دو روایتوں سے معلوم ہوا کہ وحی خواہ بالواسطہ ہو یا بدونِ واسطہ، اس کا تعلق براہِ راست پیغمبر کے دل سے تھا اور وحی یعنی خدا کا پیغام اس کے دل میں القا کر دیا جاتا تھا، جو لفظ و معنی دونوں کے ساتھ ہوتا اور وہ پیغمبر کے دل میں محفوظ ہو جاتا تھا۔ اس

خیال کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ "جب رسول اللہ پر وحی نازل ہوتی تو آپ بے چین ہوجاتے، چہرے کا رنگ متغیّر ہوجاتا، سر جھکا لیتے۔ (یہ حالت دیکھ کر) صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے۔ وحی کے ختم ہونے پر آپ سر اٹھا لیتے" ہے۔

بعض محقق علماء نے وحی کی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کائنات میں جتنی جاندار مخلوقات ہیں ان میں سے ہر ایک کو اس کے مقصدِ تخلیق کے لحاظ سے ایک خاص فطری ملکہ یا استعداد عطا کی گئی ہے۔ اس کی ایک عمدہ مثال شہد کی مکھی ہے۔ اللہ نے اس ننھی سی جان میں شہد سازی کا ایک عجیب و غریب ملکہ ودیعت کیا ہے۔ وہ بڑے حیرت انگیز طریقے سے مختلف اقسام کے پھولوں کا رس چوس کر کمالِ دانائی سے شہد جیسا خوش رنگ و خوش ذائقہ مشروب تیار کرتی ہے۔ قرآن میں اس کی اس فطری استعداد کے لیے وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ فرمایا ہے:

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۔
(سورۂ نحل/۶۸-۶۹)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے جی (فطرت) میں یہ بات ڈالی کہ تو گھر (چھتّے) بنا پہاڑوں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو (اسی مقصد کے لیے) بلندی میں باندھتے ہیں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں (پھولوں) کا رس چوستی پھر، پھر اپنے رب کے نہایت آسان اور ہموار راستے پر چل (یعنی اس طریقے کے مطابق شہد سازی کر جسے اللہ نے تمھیں سکھایا ہے)۔ اس کے پیٹ سے ایک مشروب نکلتا ہے (یعنی شہد)، جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے (امراض کے) لیے شفا ہے۔

یہی حال کائنات کی دوسری مخلوقات کا ہے۔ انسانی دنیا میں بھی ہم مختلف

استعدادوں کے لوگ پاتے ہیں۔ بعض اشخاص میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خاص کام کا فطری ملکہ ہوتا ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتا یا اس پایہ کا نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں میں یہ فطری ملکہ اتنا نمایاں اور بلند ہوتا ہے کہ اس کو دیکھ کر بہتوں کو حیرت ہوتی ہے۔ شعر وادب، سماجی علوم اور سائنس اور ٹکنالوجی کے میدانوں میں اس کی مثالیں ہر دور میں بکثرت موجود رہی ہیں اور آج بھی ہیں۔

اس خصوصیت کا اطلاق روحانی اشخاص پر بھی ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس طرح کے غیر معمولی صاحبِ دانش و بینش افراد کے لیے 'مفہومون' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ''مفہومون مختلف استعداد کے اور کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ جس شخص کو عمدہ اخلاق اور تدبیر منزل کے علوم کا القا ہوتا ہے وہ حکیم کہلاتا ہے۔ جس کو سیاست کے امور کا القا ہوتا ہے اور وہ اس کو عمل میں لاتا ہے وہ خلیفہ کہلاتا ہے۔ جس کو ملاءِ اعلیٰ سے تعلیم ہوتی ہے اور اس سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں وہ مؤید بروح القدس کہلاتا ہے اور جس کے دل اور زبان میں نور ہوتا ہے اور اس کی نصیحت سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے حواریوں اور مریدوں پر بھی نور سکینہ نازل ہوتا ہے وہ ہادی اور مزکّی کہلاتا ہے۔ اور جو قواعدِ ملیّہ کا زیادہ جاننے والا ہوتا ہے وہ امام کہلاتا ہے...... اور جب خدا اپنی حکمت سے مفہومین میں سے کسی بڑے شخص کو مبعوث کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نور میں لائے تو وہ نبی کہلاتا ہے''۔[۸]

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مفہومین کی طرح انبیاء میں بھی ایک مخصوص فطرت یا استعداد ہوتی ہے اور بحیثیت رسول ان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ اسی فطرت سے صادر ہوتا ہے، البتہ ان کی یہ فطرت یا استعداد دوسرے مفہومین سے مختلف اور کامل ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے اس خیال کو مبہم الفاظ و اصطلاحات اور پیچیدہ اسلوب میں بیان کیا ہے تاکہ وہ اعتراض کا محل نہ بن سکے۔

لیکن سرسید علیہ الرحمہ نے اس خیال کو مخالفت کی پروا کیے بغیر کھول کر بیان کیا ہے اور صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وحی کا مصدر دراصل ملکۂ نبوت ہے جو خدا کی طرف

سے پیغمبر کو عطا کیا جاتا ہے اور وہ کسی واسطے (فرشتہ وغیرہ) کے بغیر کام کرتا ہے، یعنی خلق خدا کی ہدایت کا کام انجام دیتا ہے۔ اس خیال کو انہی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیں:

''ایسا ہادی جس میں اس قسم کی ہدایت کی کامل فطرت ہوتی ہے وہی نبی ہوتا ہے اور وہی فطرت ملکۂ نبوت، ناموس اکبر، جبریل اعظم کے لقب سے ملقب کی جاتی ہے۔ وہ کسی بات کو سوچتا ہے اور کچھ نہیں جانتا دفعۃً اس کے دل میں بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایک القا ہوتا ہے اور قلب کو ایک صدمہ اس کے القا سے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ اوپر سے کسی چیز کے گرنے سے صدمہ ہوتا ہے یا اس قسم کا ایک انکشاف اس کے دل پر ہوتا ہے جو سچ مچ وہ جانتا ہے کہ تمام حجاب اٹھ گئے ہیں اور جس کی میں تلاش میں تھا مثل سپیدۂ دمِ صبح میرے سامنے موجود ہے''۹۔

راقمِ سطور کو اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔ یہاں تک تو ان حضرات کی بات صحیح ہے کہ دنیا کے دوسرے بڑے انسانوں کی طرح پیغمبر بھی ایک جداگانہ اور کامل بشری طبیعت لے کر پیدا ہوتا ہے اور اس کا نفس دوسرے انسانوں کے نفوس سے زیادہ پاکیزہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ کوئی ایسا ملکہ لے کر پیدا ہوتا ہے جو بذاتِ خود منبعِ وحی ہوتا ہے اور جس چیز کو ناموس اکبر اور روح القدس اور جبرئیل کہا جاتا ہے وہ فی الحقیقت ملکۂ نبوت ہے، صحیح نہیں ہے۔

قرآن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے غیر معمولی کلام کا مصدر خود ان کی ذات نہیں تھی۔ اس کی بہترین مثال نبی آخر ہیں جو امّی تھے۔ آپ ﷺ کی اُمیت کو قرآن میں ثبوتِ رسالت کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

قُل لَّوۡ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهُ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ أَدۡرَاكُم بِهِ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّن قَبۡلِهِ أَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ (سورۂ یونس/۱۶)	کہہ دو کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ میں تمھیں اس وحی کو سناتا اور نہ وہ تمھیں اس سے آگاہ کرتا۔ میں اس سے پہلے تمھارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں، کیا تم بالکل سمجھ نہیں رکھتے؟

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس پیغمبر کی طرف سے جو کلام پیش کیا جارہا ہے وہ اس کے دماغ کی کرشمہ سازی نہیں ہے اور نہ اس کا مصدر اس کی ذات ہے، بلکہ یہ تمام تر ایک خارجی چیز ہے یعنی عطیۂ خداوندی۔ اس کو خدا کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ اس کے بندوں تک جوں کا توں پہنچا دیتا ہے۔ اگر یہ اس کی ذات کا کمال ہوتا تو آغازِ نبوت سے پہلے عمر کے کسی حصے میں زیادہ نہ سہی اس کا نہایت قلیل حصہ ہی ظاہر ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کوئی ایسا کلام اس رسول کی زبان مبارک سے صادر نہیں ہوا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ ایک غیر معمولی دماغ لیکر پیدا ہوا ہے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے وہ عقلی اعتبار سے اپنے معاشرہ کے دوسرے ذی علم افراد پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا تھا۔ اسی تاریخی حقیقت کو آیتِ مذکورہ میں "**فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ**" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر رسول اخلاقی اعتبار سے اپنے سماج کا چیدہ ہی نہیں، افضل اور کامل ترین فرد ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکا نفس طہارت وتزکیہ کا کامل نمونہ ہوتا ہے۔ نبی ﷺ مکی معاشرہ میں جن اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے مشہور تھے وہ کوئی عقلی وصف نہیں بلکہ اخلاقی وصف تھا، یعنی آپ صادق اور امین کے نام سے معروف تھے۔ خود قرآن مجید میں آپ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: **وانک لعلیٰ خلق عظیم** (سورۂ قلم/۴) "بے شک تم خلقِ عظیم کے مالک ہو"۔

معلوم ہے کہ آغازِ نبوت سے بہت پہلے آپ ﷺ غارِ حرا میں مہینوں اعتکاف فرماتے اور وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ اس عبادت و ریاضت سے مقصود نفس کا تزکیہ تھا تا کہ روحانی استعداد جو آپ میں فطرتاً موجود تھی، مزید ترقی کر کے اس مقام تک پہنچ جائے جہاں آئندہ خدا کے پیغام کو وصول کرنا آپ کے لیے آسان ہو جائے۔ چنانچہ جب آئینۂ قلب پوری طرح صیقل ہو گیا تو پہلی وحی اسی غار کے اندر آپ پر نازل ہوئی۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآن میں دو مقامات پر وحی کو 'قولِ رسول' یعنی فرشتہ کا قول کہا گیا ہے اور دوسروں کی طرف جیسا کہ کفار عرب کہتے تھے، اس قول کی

نسبت کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

فَلا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلاً مَا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلاً مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝۔ (سورۂ حاقہ/۳۸-۴۳)

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ یہ ایک باعزت رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت کم غور وفکر کرتے ہو۔ یہ خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

فَلا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۝ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝۔ (سورۂ تکویر/۱۵-۲۶)

پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، سیدھے چلنے والے اور چھپ جانے والے (ستاروں) کی اور رات کی جب کہ وہ جانے لگتی ہے اور صبح کی جب وہ نمودار ہوتی ہے کہ یہ ایک باعزت رسول کا قول ہے، بڑی قوت والا اور مالکِ عرش کے ہاں بلند رتبہ رکھتا ہے، اس کی بات مانی جاتی ہے، اس پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور یہ تمھارا ساتھی (یعنی خدا کا رسول) کچھ دیوانہ نہیں ہے۔ اس نے اس فرشتہ کو اُفق پر دیکھا ہے۔ یہ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہے (یعنی کچھ بتائے اور کچھ روک لے)، اور یہ کسی شیطانِ مردود کا بھی قول نہیں ہے، پھر تم کدھر چلے جارہے ہو۔

اس آخری آیت نے کسی اشتباہ کے بغیر متعین کردیا کہ جس ذریعے سے خدا کی

وحی نبی ﷺ کے قلب پر القا کی جاتی تھی وہ ملکۂ نبوت نہیں بلکہ ایک متشخص وجود تھا یعنی خدا کا فرشتہ جو اس کائنات کی ایک بڑی قوت اور علم و دانائی میں بہت با کمال ہے۔ نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ نبی ﷺ خدا کی طرف سے بھیجی جانے والی وحی کو خواہ براہِ راست ہو یا بالواسطہ، کس طرح وصول کرتے تھے، اس کا ادراک انسانی عقل کے لیے ممکن نہیں ہے۔ خود رسول اللہ نے اس کے بارے میں جیسا کہ ذکر ہوا، تمثیلی زبان استعمال کی ہے، یعنی وہ گھنٹی کی آواز (صلصلۃ الجرس) جیسی کوئی چیز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں کی طرف سے حقیقتِ وحی کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا گیا:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّىْ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلاً۔ (بنی اسرائیل/۸۵)	وہ تم سے روح (یعنی وحی) کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

وحی کی صورت

علماء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ نبی ﷺ پر جو وحی آتی تھی اس میں لفظ و معنی دونوں شامل تھے یا محض معنی یعنی مضمون قلبِ پیغمبر پر القا کر دیا جاتا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ پر صرف معنی القا کیے گئے تھے، ان کو الفاظ و نظم کا جامہ آپ ﷺ نے پہنایا [۱]۔ لیکن سر سید علیہ الرحمہ نے شاہ صاحب کے اس خیال سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وحی لفظ و معنیٰ دونوں کے ساتھ ہوتی تھی، کیونکہ کوئی خیال یا معنیٰ تجرید لفظ کے ساتھ ناقابلِ تصور ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

> ''میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ صرف مضمون القا کیا گیا تھا اور الفاظِ قرآن آنحضرت ﷺ کے ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان میں جو عربی تھی اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں حجۃ الاسلام بلکہ حجت اللہ فی الانام شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب تفہیماتِ الٰہیہ میں جو کچھ بیان کیا ہے اس پر تعجب اور سخت تعجب ہے ... یہ قول شاہ

صاحب کا عقل اور نفس الامر دونوں کے مخالف ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے کہ: وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ (سورۂ شعراء/۱۹۲-۱۹۵)۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (سورۂ یوسف/۳) اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن قلب آنحضرت ﷺ پر عربی زبان میں ہوا تھا نہ یہ کہ صرف معنی القا ہوئے تھے اور الفاظ جن سے وہ معنی تعبیر کیے گئے ہیں آنحضرت ﷺ کے تھے۔ نفس الامر کے اس لیے برخلاف ہے کہ خود تم اپنے نفس پر غور کرو کہ کوئی مضمون دل میں مجرد عن الالفاظ آ ہی نہیں سکتا اور نہ ہی القا ہوسکتا ہے... اس لیے قرآن مجید بلفظہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر القا ہوا تھا اور وہی الفاظ اور اسی نظم سے جس طرح القا ہوئے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو پڑھ کر سنایا"[۱۱]۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ و معنی دونوں کے ساتھ قلب نبی ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ عقلی دلائل کے علاوہ نصوص سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ قیامہ کی درج ذیل آیات قابلِ توجہ ہیں:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝۔ (سورۂ قیامہ/۱۶-۱۸)	اے پیغمبر، تم اپنی زبان کو وحی کے ساتھ (جب وہ نازل ہو رہی ہو) حرکت نہ دو تا کہ اس کو جلدی سے لے لو (یعنی یاد کرلو)، ہمارے ہی ذمہ ہے اس کو (تمھارے سینہ میں) جمع کرنا (تا کہ وہ محفوظ ہوجائے) اور ترتیب دینا۔ پھر جب ہم (سورہ میں آیات کو) ایک خاص ترتیب دے دیں تو تم (تلاوت میں) اس ترتیب کی پیروی کرو۔

غور فرمائیں کہ نبی ﷺ نزولِ وحی کے وقت اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت

دیتے تھے تو اس کی غرض کیا تھی؟ کھلی بات ہے کہ آپ الفاظِ وحی کو جلدی جلدی یاد کرتے تھے تاکہ وہ آپ کے حافظہ سے محو نہ ہو جائیں، معانی کو یاد کرنے کے لیے زبان کو حرکت نہیں دی جاتی ہے اور نہ دی جاسکتی ہے۔ پھر آپ کے سینہ میں وحی کو ایک خاص ترتیب سے جمع کرنا الفاظ کے بغیر کیونکر ممکن ہے۔ پھر اس مرتّب چیز کو دہرانا (اتّباع) بھی الفاظ کے بغیر محال ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ قرآن کا نزول لفظ و معنی دونوں کے ساتھ ہوا تھا۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ ایک مغربی دانش ور ڈاکٹر لوکس نے علامہ اقبال سے سوال کیا کہ کیا ان کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ قرآن کے الفاظ خدا کی طرف سے نازل کیے گئے تھے؟ علامہ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں اور اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اس کا ثبوت تو میں خود ہوں۔ ''مجھ پر شعر پورا اترتا ہے تو پیغمبر پر عبارت پوری کیوں نہیں اتری ہوگی'' ۱۲۔

وحی کی قسمیں

علماء و فقہاء نے وحی کی دو قسمیں قرار دی ہیں، ایک وحیِ متلو اور دوسری وحیِ غیر متلو ۱۳۔ وحی کی یہ تقسیم اور اس کے لیے جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں وہ سخت مغالطہ انگیز ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی ان دونوں قسموں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی تلاوت کی جاتی ہے اور دوسرے کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ان دونوں اقسامِ وحی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''فقہاء نے وحی کی دو قسمیں قرار دی ہیں، وحیِ متلو جو تلاوت کی جاتی ہے اور وحیِ غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی، مثلاً وہ احکام و نصائح جو بہ روایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں۔ پہلی وحی کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے۔ وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے، دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا

کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے''[۱۴]۔

جب یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ پر وحی لفظ و معنی دونوں کے ساتھ نازل ہوتی تھی تو پھر یہ کہنا کہ وحیِ غیر متلو''اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ اپنے معنٰی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے''، غلط ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ نبی ﷺ نے نہ صرف اپنے اقوال کو قرآن کی طرح لکھوا کر محفوظ نہیں کرایا بلکہ سختی کے ساتھ صحابہ کو اس کی کتابت سے منع کر دیا تھا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

لا تکتبو! عنّی غیر القرآن شیئا[۱۵] مجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ لکھو۔

آپ ﷺ نے یہ ممانعت اس لیے فرمائی تا کہ وحی (کلام خدا) غیر وحی (کلام رسول) سے مخلوط نہ ہو۔ اور یہ ممانعت ناگزیر تھی۔ وحی ہر دور کے لیے ہے اور حالات اور زمانہ کی تبدیلی کے باوجود ناقابلِ تغیر ہے، لیکن کلام رسول جو وحی کی عملی تبیین و تشریح ہے قرآن کی طرح ناقابل تغیر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تشریحاتِ رسول کا بڑا حصہ عربی عہد کے تہذیبی حالات اور عربوں کے عادات و رسوم کے مطابق ہے[۱۶]۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ خلافت بالخصوص خلیفۂ دوم کے عہد میں رسول اللہ ﷺ کے بہت سے فیصلوں کے برعکس فیصلے کیے گئے اور کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ ہمارے علماء و فقہاء نے وحی کی جو تقسیم کی ہے یعنی وحیِ متلو اور وحیِ غیر متلو، وہ غلط اور مغالطہ انگیز ہے۔ قرآن کے علاوہ کسی دوسری چیز پر حقیقی معنی میں وحی کا اطلاق نہیں ہوتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے علماء کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ راقم کو اس بات سے اتفاق ہے، لیکن قرآن کے علاوہ آپ ﷺ پر جو وحی آتی تھی وہ معروف معنی میں وحی نہیں تھی بلکہ خالص لغوی معنی میں وحی تھی، یعنی آپ ﷺ کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی تھی[۱۷]۔ اس کی ایک مثال سورۂ تحریم میں موجود ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی ایک

بیوی سے کوئی راز کی بات کہی۔ ان زوجہ محترمہ نے یہ بات ایک دوسری زوجۂ مطہرہ سے کہہ دی، جو ان سے قربت رکھتی تھیں۔ جب نبی ﷺ نے اس حرکت پر متعلقہ بیوی کو تنبیہ کی تو ان کو سخت تعجب ہوا کہ یہ بات آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوگئی۔ انھوں نے گمان کیا کہ راز میں شریک زوجۂ نبی نے یہ بات بتادی ہے۔ بہر حال ان زوجہ محترمہ نے نبی ﷺ سے پوچھا: **من انبأک هذا** ''آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟'' نبیؐ نے فرمایا: **نبّانی العلیم الخبیر** (سورۂ تحریم/۳) ''مجھے یہ بات اس ہستی برتر نے بتائی جو علیم وخبیر ہے''۔

اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہر دریافت طلب بات نبی ﷺ کو فوراً بتادی جاتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ نبی ﷺ کسی معاملے میں سخت ذہنی تردّد میں مبتلا رہے لیکن فوراً نہ تو معروف معنی میں وحی آئی اور نہ ہی دل میں کوئی خیال القا کیا گیا۔ اس کی ایک مثال حضرت عائشہؓ پر بہتان کا واقعہ ہے۔ روایتوں میں ہے کہ آپ تقریباً ایک ماہ تک متردّد رہے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ جب باقاعدہ وحی آئی تب معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ پر جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ (سورۂ نور/۱۶)

اس طرح کی وقتی وحی صرف نبی ﷺ کے لیے مخصوص نہیں تھی بلکہ دوسرے رسولوں کو بھی کارِ رسالت کی انجام دہی میں اس نوع کی مدد بذریعۂ وحی ملی ہے، حتیٰ کہ غیر رسول کی طرف بھی اس قسم کی وحی کی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کو اسی قسم کی وحی کے ذریعہ سے ایک خاص کام کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (سورۂ قصص/۷)

معلوم ہے کہ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے تعاقب میں روانہ ہوا اور بالکل قریب پہنچ گیا تو حضرت موسیٰ کو وحی کی گئی کہ وہ اپنی لاٹھی سے سمندر پر ضرب لگائیں: فَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (سورۂ شعراء/۶۳)۔ کھلی بات ہے کہ یہ وحی الفاظ کے ساتھ نہیں آئی ہوگی بلکہ اس ناگہانی صورت حال سے نبٹنے کی یہ ایک تدبیر تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں القا کی گئی تھی۔

جہاں تک ان اقوال واعمال کا معاملہ ہے جو حدیث کی کتابوں میں نبی ﷺ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں تو ان کو حقیقی معنی میں وحی کہنا صحیح نہیں ہے۔ یہ اقوال واعمال

دراصل قرآن کے اصولی احکام کی عملی تبیین ہیں، یا عام ہدایات کی ان سے مزید تفصیل ہوتی ہے۔ یہ کام نبی ﷺ نے بصیرت نبوی کے مطابق انجام دیا تھا (سورۂ نساء/۱۰۵)۔

اس تبیین کو میں ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ قرآن کا ایک اصولی حکم ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ ''نماز قائم کرو''۔ نبی ﷺ نے اس اصولی حکم کی عملی تبیین فرمائی اور نماز پڑھنے کا طریقہ مقرر فرمایا۔ اسی پر قرآن کے دوسرے اصولی احکام کی تبیین کو قیاس کر لیں۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے: إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ (سورۂ عنکبوت/۴۵) ''بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے''۔ اس آیت کی مزید تفصیل اس روایت سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمھارا کیا خیال ہے، اگر کسی کے گھر کے سامنے دریا بہہ رہا ہو اور وہ اس میں دن میں پانچ بار غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل کچیل باقی رہ جائے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، کوئی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی معاملہ پانچ اوقات کی نمازوں کا ہے۔ اللہ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے'' ۱۸۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ اگر کوئی قول یا فعل جو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، قرآن کی کسی نص کے خلاف ہو تو وہ لاریب رسول کا قول اور فعل نہیں ہوسکتا ہے۔ علامہ شاطبی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

> ''سنت اپنے معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ وہ یعنی سنت قرآن حکیم کے مجمل کی تفسیر یا مشکل کا بیان یا مختصر کی تشریح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے، وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (ہم نے تمھارے طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے اس کو لوگوں پر واضح کردو)۔ پس سنت میں کوئی ایسی بات نہیں ملے گی جس کی اجمالی یا تفصیلی دلالت قرآن حکیم میں موجود نہ ہو... قرآن میں ہے: وانک

لعلیٰ خلق عظیم ''تم عظیم خلق کے مالک ہو''۔ حضرت عائشہؓ نے خلق کی وضاحت میں فرمایا کہ رسول کا خلق قرآن مجید ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے تمام اقوال وافعال اور اقرار سب قرآن مجید کی طرف رجوع ہونے والے ہیں کیونکہ خلق کا تعلق ان ہی امور سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تبیاناً لکل شیئ (سورۂ نحل/۸۹) فرمایا ہے۔ اس سے بھی سنت کا فی الجملہ قرآن میں ہونا لازم آتا ہے...اگر ایسا نہ ہو تو اس کو قبول کرنے میں توقف ضروری ہے''۱۹۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: کل ما حکم به رسول الله فهو مما فهمه من القرآن'' ۲۰۔ ''رسول اللہ نے جو حکم بھی دیا ہے وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہے''۔

اس گفتگو سے واضح ہوگیا کہ حقیقی معنی میں وحی کا اطلاق صرف قرآن پر ہوگا جو لفظاً اور معناً دونوں طرح محفوظ ہے۔ ہمارے بہت سے علماء کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے دونوں طرح کی وحی پر ایک ہی حکم لگادیا۔ نتیجہ کے طور پر وہ خود بھی فتنہ میں پڑے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو بھی مبتلائے فتنہ کیا۔

حواشی ومراجع

۱۔ امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، المطبعۃ المیمنیۃ، مصر، ص۵۳۶
۲۔ ابن منظور، لسان العرب، طبع بیروت، ۱۹۵۶ء، ج۱۵، ص۳۷۹
۳۔ حوالہ مذکور
۴۔ حوالہ مذکور
۵۔ امام بخاری، صحیح البخاری، باب بدأ الوحی، قاہرہ، ۱۳۷۸ھ
۶۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۳۴ھ، ج۲، ص۴
۷۔ امام بخاری، صحیح البخاری، باب عرق النبی ﷺ
۸۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغۃ، یونین پرنٹنگ پریس دہلی، ج۱، باب،

حقیقة النبوة وخواصها

۹ سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، خدا بخش لائبریری پٹنہ (عکسی اڈیشن) ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص ۱۷

۱۰ شاہ ولی اللہ دہلوی، التفہیمات الالٰہیۃ، المجلس العلمی ڈابھیل، سورت، ۱۹۳۶ء، ص ۵۸۱

۱۱ سرسید احمد خاں، تفسیر القرآن، (تحریر فی اصول التفسیر)، ج ۱، ص ۳-۴

۱۲ سید وحید الدین، روزگار فقیر، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ج ۱، ص ۳۹

۱۳ بعض لوگوں نے اس کو وحیِ قرآن اور وحی حدیث کہا ہے، لیکن باعتبار مفہوم دونوں اصطلاحوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۱۴ مولانا سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۴۷ء، ج ۳، ص ۳۳۹

۱۵ امام ترمذی، سنن ترمذی

۱۶ شاہ ولی اللہ، حجة الله البالغة، ج ۱، باب اسباب نزول الشرائع

۱۷ وحی کی ایک شکل خواب بھی تھے، یعنی کوئی بات آپ کو خواب میں بتادی جاتی تھی جیسا کہ مسجد حرام میں داخل ہونے کے واقعہ کو خواب میں دکھایا گیا تھا (سورۂ فتح ۲۷)

۱۸ دیکھیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ

۱۹ شاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعہ، المطبعۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، ج ۴، المسئلۃ الثالثۃ

۲۰ امام ابن تیمیہؒ، مقدمہ فی اصول التفسیر، طبع دمشق، ۱۹۷۱ء، ص ۹۳